علمی مضامین سلسلہ نمبر ۶۳

''اَلحامد ٹرسٹ'' نزد جامعہ مدنیہ جدید رائیونڈ روڈ لاہور کی جانب سے شیخ المشائخ محدثِ کبیر حضرت اَقدس مولانا سیّد حامد میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے بعض اہم خطوط اور مضامین کو سلسلہ وار شائع کرنے کا اہتمام کیا گیا ہے جو تا حال طبع نہیں ہو سکے جبکہ ان کی نوع بنوع خصوصیات اس بات کی متقاضی ہیں کہ افادۂ عام کی خاطر اِن کو شائع کر دیا جائے۔ اسی سلسلہ میں بعض وہ مضامین بھی شائع کیے جائیں گے جو بعض جرائد و اخبارات میں مختلف مواقع پر شائع ہو چکے ہیں تا کہ ایک ہی لڑی میں تمام مضامین مرتب و یکجا محفوظ ہو جائیں۔ (اِدارہ)

اَلْمُضَارَبَہْ

اُردو میں اِسے ''مضاربت'' لکھتے اَور بولتے ہیں۔ عربی میں اِسے مُقَارَضَہْ اَور مُعَامَلَہْ بھی کہتے ہیں۔ اِس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ ایک شریک کا روپیہ ہو اَور دُوسرے شریک کی محنت ہو۔

تجارت کے طریقوں میں مضاربت کا ثبوت اِس حدیث سے ملتا ہے کہ جنابِ رسول اللہ ﷺ کے چچا حضرت عباسؓ بن عبدالمطلب اِس طریقہ سے تجارت کرتے تھے۔ جنابِ رسول اللہ ﷺ نے اِسے جائز قرار دیا۔ وہ جسے روپیہ دیتے تھے اُس سے یہ شرطیں طے کر لیا کرتے تھے کہ

☆ وہ مال لے کر بحری سفر نہ کرے۔

☆ مال کسی وادی میں نہ اُتارے (کیونکہ وادی نشیب میں ہوتی ہے اَور پہاڑی علاقہ میں کہیں دُور بارش ہوئی ہو تو اَچانک پانی بے خبری میں آ کر سامان وغیرہ سب بہالے جاتا ہے)۔

☆ ایک شرط یہ طے کیا کرتے تھے کہ میرا مال جانور خریدنے کے کام میں نہ لانا۔ اَگر تم نے ایسا کیا اَور پھر کوئی نقصان ہوا تو تم پر ضمان آئے گا۔

جنابِ رسول اللہ ﷺ نے یہ شرطیں درست قرار دیں۔

مضاربت کے ثبوت کی دُوسری دلیل اِجماعِ صحابہ ہے۔ سیّدنا عمر، عثمان، علی، عبداللہ بن مسعود، عبداللہ بن عمر اَور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا و عنہم نے مضاربت پر مال دیا ہے اَور اِن

حضرات نے یتیم بچوں کے مال مضاربت پر دیے ہیں۔ یہ سب کچھ سب صحابہ کرامؓ کے سامنے ہوتا رہا اَور کسی نے اِس کی مخالفت نہیں کی اِس لیے اِسے اِجماع کہا گیا ہے۔

ایک دفعہ حضرت عبداللہ اَور عبیداللہ جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے تھے عراق گئے اُن دِنوں حضرت اَبوموسیٰ اَشعری رضی اللہ عنہ وہاں اَمیر تھے اُنہوں نے اِن سے فرمایا کہ اگر میرے پاس مال ہوتا تو میں آپ کو پیش کرتا میرے پاس مرکزی بیت المال بھیجنے کے واسطے روپیہ رکھا ہے آپ ایسا کریں کہ اِس کا یہاں سے سامان خرید لیں مدینہ منورہ پہنچ کر فروخت کر کے روپیہ بیت المال میں داخل کر دیں اَور نفع آپ رکھ لیں۔ جب یہ مدینہ منورہ حاضر ہوئے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ بات سن کر فرمایا کہ یہ روپیہ کسی کا بھی نہیں ہے یہ روپیہ بیت المال (اسٹیٹ بینک کا ہے) اَور یہ سب مسلمانوں کا (عوام کا) ہے اِس لیے روپیہ اَور نفع سب بیت المال میں داخل کر دو، یہ نفع بھی سب مسلمانوں کا (عوام کا) ہی رکھو۔ اِس پر عبداللہ خاموش ہو گئے اَور عبیداللہ نے عرض کیا کہ اِس میں ہماری محنت اَور ذمہ داری بھی شامل ہے کہ اگر یہ ہم سے تلف ہو گیا ہوتا تو ہم اِس کے ذمہ دار ہوتے اَور ضمان دیتے۔ اَور صحابہ کرامؓ بھی موجود تھے اُنہوں نے رائے دی کہ اے اَمیر المومنین آپ اِن دونوں کا مضاربت کی طرح نفع میں حصہ کر دیجیے آدھا نفع اِن کو اَور آدھا بیت المال کو دے دیجیے۔ آپ نے اِس صورت پر عمل کرنے کی اِجازت دے دی۔

غرض جنابِ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ سے لے کر اَب تک ہر دَور میں اِس صورت پر عمل چلا آ رہا ہے اَور کبھی کسی نے اِسے منع نہیں کیا اَور اِجماعِ اُمت جس زمانہ میں بھی ہو حجت ہوتا ہے چہ جائیکہ ہر دَور میں پایا جا رہا ہو۔

نیز عقلی طور پر بھی ظاہر ہے کہ تجارت کی اِس صورت کی ضرورت پڑتی ہے کیونکہ بسا اَوقات ایسا ہوتا ہے کہ ایک شخص کے پاس مال ہوتا ہے اَور تجارت کی اہلیت نہیں ہوتی اَور دُوسرے شخص کا ذہن تجارتی ہوتا ہے لیکن اُس کے پاس مال نہیں ہوتا تو اِس صورت کے شروع ہونے میں دو ضرورت مندوں کی ضرورت رفع ہوتی ہے اَور حق تعالیٰ نے خرید و فروخت کا سلسلہ بندوں کے مصالح کے لیے اَور اُن کی

ضرورتوں کو پورا کرنے ہی کے لیے رکھا ہے۔(بدائع الصنائع ج ۶ ص ۷۹)

اِس تجارتی معاملہ کو طے کرنے کے لیے شریعت نے جو طریقہ بتلایا ہے اِس میں کچھ شرائط رکھ دی ہیں۔اگر اِن شرائط کے مطابق ہوگا تو جائز ہوگا ورنہ ناجائز۔

(۱) ایک شرط یہ ہے کہ کاروبار میں جتنا روپیہ لگانا ہے وہ طے ہو اَور دُوسرے شخص کو صاف طرح بتلا دیا جائے کہ میں اِتنا روپیہ دُوں گا۔

(۲) اَور روپیہ دے بھی دیا جائے تاکہ کاروبار چلنے لگے ورنہ معاملہ فاسد شمار ہوگا۔

(۳) نفع کی تقسیم بھی طے ہو کہ روپے والے کو کتنا اَور محنت والے کو کتنا نفع ملے گا اگر مقدارِ نفع طے نہ ہوئی اگر صرف اِتنی ہی بات کی گئی ہے کہ نفع ہم دونوں کا ہوگا تو اِس صورت میں نفع آدھا آدھا ہوجائے گا۔(بدائع الصنائع ج ۶ ص ۸۵)

(۴) اگر نفع کی تقسیم کے لیے یہ طے کیا کہ نفع میں مثلاً ایک ہزار میرے (صاحبِ مال کے) اَور باقی تمہارے (یعنی محنت کرنے والے کے) یا اِس کے برعکس تو یہ درست نہیں۔معین رقم نہیں طے کی جاسکتی اِس سے عقد فاسد ہوجائے گا۔

نفع معین کرنے کا طریقہ یہ ہوگا کہ روپیہ دینے والا اَپنا ایک حصہ رکھ لے نفع کا چوتھائی یا تہائی یا نصف وغیرہ جو بھی دونوں میں طے ہوجائے، اگر نفع ہوگا تو کام کرنے والا اِس میں حصہ کا حقدار ہوگا اَور نفع نہ ہوا تو نہیں۔

(۵) یہ شرط بھی درست نہیں ہے کہ اگر نفع نہ ہوا تب ہم آپ کو (کام کرنے والے کو) اَصل مال میں سے اِتنا دیں گے اِس سے بھی مضاربت میں فساد آجاتا ہے۔

(۶) اگر یہ طے کیا کہ نقصان کی صورت میں نقصان بذمۂ کارکن ہوگا یا یہ طے کیا کہ نقصان میں دونوں (پیسے والا اَور کام کرنے والا) شریک ہوں گے تو یہ بھی غلط ہے۔نقصان کی صورت میں صرف روپیہ دینے والا شریک ہی اِسے برداشت کرے گا۔

(۷) اگر صاحبِ مال نے یہ طے کیا کہ میں خود یا میرا فلاں آدمی تمہارے ساتھ کام کیا

کرے گا تو بھی مضاربت نہیں رہے گی (کیونکہ یہ صورت مضاربت کی نہیں ہوتی مضاربت میں ایک کا روپیہ اَور دُوسرے کا کام ہوا کرتا ہے)۔

(۸) مذکورہ بالا ممنوعہ شرائط میں سے اگر کوئی شرط رکھ لی ہو تو مضاربت ختم ہو جائے گی اَور یہ فیصلہ دیا جائے گا کہ کام کرنے والا شخص ملازم ہے۔ اِس شخص کو صاحبِ مال اِتنی تنخواہ دینے کا ذمہ دار ہے جتنی رواجًا اِس جیسے ملازم کی ہوا کرتی ہے اَور نفع نقصان صاحبِ مال کا ہوگا۔

اَلبتہ اگر تنخواہ کی رقم زیادہ بنتی ہو اَور نفع کم ہوا ہو تو یہ فیصلہ دیا جائے گا کہ نفع ہی دے دیا جائے اَور آئندہ کے لیے وہ اَز سرِ نو معاملہ طے کر کے کام کریں یا معاملہ ختم کر دیں۔

(۹) صاحبِ مال اگر شروع ہی میں معاملہ فسخ کرنا چاہتا ہو تو یہ دیکھا جائے گا کہ کام کرنے والے ساتھی نے سامان خرید لیا ہے یا نہیں ؟ اگر اُس نے سامان خرید لیا ہو تو اَب صاحبِ مال معاملہ کو فسخ نہیں کر سکتا اَور اگر سامان نہ خریدا ہو تو فسخ کر سکتا ہے۔

(۱۰) مضاربت کے طریقہ پر تجارت غیر مسلم کے ساتھ بھی کی جا سکتی ہے۔

مُزَارَعَہْ :

یعنی زمین کھیتی بونے کے لیے بٹائی پر دینی۔

یہ اِمام اَعظم اَبو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک جائز نہیں ہے۔ اِمام اَعظمؒ کے اِس فتوے پر اِمام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا عمل بھی رہا ہے۔

لیکن اِمام اَعظم رحمۃ اللہ علیہ کے ہر دو جلیل القدر شاگرد اِمام اَبو یوسفؒ اَور اِمام محمدؒ اِسے جائز قرار دیتے ہیں۔

جو حضرات مزارعت کو جائز قرار دیتے ہیں اُن کی بڑی دلیل یہ ہے کہ جنابِ رسول اللہ ﷺ نے جب خیبر کا علاقہ فتح کیا تو وہاں کی یہودی آبادی کو آپ نے وہیں رہنے دیا اَور زمین جو مسلمانوں کی ہو چکی تھی اُنہیں بٹائی پر دے دی۔ مزارعت کا نام مُخَابَرَہْ (یعنی خیبر والا معاملہ بھی ہے)۔

لیکن اِمام اَعظمؒ فرماتے ہیں کہ یہودیوں کے ساتھ آپ کا یہ معاملہ مزارعت کے طریقہ پر نہ تھا بلکہ یہ اُن سے خراج وصول کرنے کی ایک صورت تھی جس کی دلیل یہ ہے کہ جنابِ رسول اللہ ﷺ نے اُن سے اِرشاد فرمایا تھا نُقِرُّ کُمْ مَا اَقَرَّ کُمُ اللّٰہُ ہم تمہیں جب تک خدا چاہے گا اِس صورت پر قائم رکھیں گے۔ آپ نے اِس کے لیے کوئی مدت مقرر نہیں فرمائی تھی۔ یہ اِس بات کی دلیل ہے کہ یہ خراج ہی تھا (اِسے اِمام اَعظمؒ نے خَرَاجِ مُقَاسَمَہْ کا نام دیا ہے) کیونکہ اگر یہ مزارعت ہوتی تو جنابِ رسول اللہ ﷺ مدت ضرور مقرر فرما دیتے۔ مدّت کے تعین کے بغیر کسی کے نزدیک بھی مزارعت ٹھیک نہیں سمجھی گئی۔

نیز کسی بھی حدیث میں یہ نہیں آیا کہ جنابِ رسول اللہ ﷺ نے اَور آپ کے بعد حضرت اَبوبکر وعمر رضی اللہ عنہما نے خیبر کے یہودیوں سے جزیہ لیا ہو۔ اگر خیبر کی زمین یہودیوں کو بٹائی پر دی گئی ہوتی تو جزیہ ضرور لیا گیا ہوتا، اِس سے مزید واضح ہو رہا ہے کہ زمین یہودیوں کو بٹائی پر نہ دی گئی تھی بلکہ جزیہ وصول کرنے کا یہ طریقہ اِختیار فرمالیا تھا، اِسی میں جزیہ داخل تھا، اِسی کا نام خَرَاجِ مُقَاسَمَہْ ہے۔

اَور مسلمانوں کے آپس کے معاملہ کے بارے میں حدیث میں آتا ہے : نَھَی النَّبِیُّ ﷺ عَنِ الْمُخَابَرَۃِ ''جنابِ رسول اللہ ﷺ نے مخابرہ (مزارعت) سے منع فرمایا ہے۔'' یہ حدیث اِمام بخاریؒ نے بھی تحریر فرمائی ہے۔ (بخاری ج ۱ ص ۳۲۰)

اَلبتہ اِمام اَعظمؒ اِس صورت کو جائز قرار دیتے ہیں کہ سفید زمین کرایہ پر دے دی جائے، یہی حضرت اِبنِ عباس کا فتوی تھا (رضی اللہ عنہما) اِنَّ اَمْثَلَ مَا اَنْتُمْ صَانِعُوْنَ اَنْ تَسْتَأْجِرُوا الْاَرْضَ الْبَیْضَاءَ مِنَ السَّنَۃِ اِلَی السَّنَۃِ. (بخاری ج ۱ ص ۳۱۵)

لیکن فتوی صاحبین (اِمام اَبو یوسفؒ و اِمام محمدؒ) کے قول ہی پر ہے جس کی وجہ یہ ہے کہ اِن حضرات نے تعامُل (عمل) کو اہمیت دی کیونکہ تعاملِ صحابہ وتابعین خود بڑا وزن رکھتا ہے، وہ دلیلِ جواز ہے نیز اِس میں سہولت زیادہ ہے اِس لیے کہا جائے گا کہ اَفضل تو یہی صورت ہے کہ زمین کرایہ پر دے دی جائے لیکن جائز یہ بھی ہے کہ بٹائی پر دے دی جائے۔

مزارعت یعنی بٹائی پر زمین دینے کے تفصیلی اَحکام تو کتبِ فقہ میں ہیں لیکن مزارعت کے آسان آسان کچھ اَحکام (قاعدے قانون) یہاں بھی دَرج کر رہا ہوں۔

(۱) دونوں میں یہ طے ہونا چاہیے کہ کیا بویا جائے گا۔

(۲) مزارع کھیتی باڑی ہی کر سکتا ہے، درخت نہیں بو سکتا۔

(۳) پیداوار میں حصہ ہر ایک کا صاف معین ہوگا چوتھائی تہائی نصف جو بھی ہو۔

(۴) ہر دو کا حصہ اِسی زمین سے پیدا شدہ کھیتی میں لیا دیا جائے گا کیونکہ بات ہی اِس زمین کی اَور اِس کی پیداوار کی ہے۔

(۵) زمین قابلِ کاشت ہو، بنجر زمین مزارعت پر نہیں دی جاتی۔

(۶) زمین اَور اُس کی حدود متعین ہوں۔

(۷) زمین اُس مدت میں فقط مزارع کے عمل دَخل میں رہے گی، مالک دَخل نہ دے گا۔

(۸) اگر ٹریکٹر اَور بیج مالکِ زمین نے دینے طے کیے ہیں تو بھی جائز ہے اَور اَگر مالکِ زمین فقط زمین دے رہا ہے تو یہ بھی جائز ہے۔ اَور اگر زمین اَور بیج مالک کے، ٹریکٹر یا بیل اَور ہل مزارع کے ہوں تو بھی درست ہے۔

(۹) اگر زمیندار ٹریکٹر دے رہا ہے اَور کاشتکار بیج دے رہا ہے تو اِس صورت میں اِمام اَبو یوسفؒ و محمدؒ (صاحبین) میں بھی اِختلاف ہے۔ اِمام محمدؒ منع کرتے ہیں اَور اِمام اَبو یوسفؒ اِسے جائز قرار دیتے ہیں۔ بہتر یہی ہے کہ یہ صورت نہ اِختیار کی جائے۔

(۱۰) کچھ بیج مالکِ زمین اَور کچھ کاشتکار دے یہ بھی درست نہیں۔

(۱۱) اگر ایک شخص نے زمین دی، ایک نے بیج دیے، ایک نے ٹریکٹر اَور چوتھے نے کام کیا تو یہ جائز نہیں۔

اِسی طرح کا واقعہ جناب رسالتمآب ﷺ کے زمانہ میں پیش آیا تھا تو آپ نے اُسے غلط قرار دیا تھا۔

(۱۲) ٹریکٹر یا ہل اَور بیل مہیّا کرنے کی شرط کسی طرف سے بھی دُوسرے پر لازم نہیں قرار دی جائے گی۔ اِس پر کوئی بھی فریق دُوسرے سے نہیں جھگڑ سکے گا اَور مزارع مالکِ زمین کو پابند نہیں کر سکتا۔

(۱۳) مدت مزارعت بھی طے کرنی چاہیے، اِس کی اِبتداء بھی اَور اِنتہاء بھی، بہتر یہی ہے۔

(بدائع الصنائع ج ٦ ص ۱۷۵ تا ۱۸۲)

حامد میاں غفرلہٗ

۱۷؍ مارچ ۱۹۸۲ء